دارالاسلام

(اسی اشاعت میں صفحہ اول پر یہ اعلان ناظرین کے ملاحظہ سے گزر چکا ہے کہ دفتر ترجمان القرآن ماہ ذی القعدہ میں "دارالاسلام" کی طرف منتقل ہو رہا ہے ۔ اس کو دیکھ کر فطرۃً آپ کے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ یہ دارالاسلام کیا چیز ہے؟ ذیل کا مضمون اسی سوال کا جواب ہے)

مقام | پنجاب کے ضلع گورداسپور میں پٹھان کوٹ ایک مشہور قصبہ ہے۔ اس سے چند ہی میل کے فاصلہ پر کوہستان ہمالیہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اور اس کے قریب ہی وہ مقام واقع ہے جہاں سے دریائے راوی پہاڑوں کی آغوش سے نکل کر پنجاب کے میدانی علاقہ میں آتا ہے۔ مناظر کے لحاظ سے یہ علاقہ بہت فرحت بخش ہے۔ آب و ہوا اچھی ہے۔ زمین زرخیز ہے۔ پانی کی افراط ہے۔ قدرت نے میلوں تک جنگلوں کو باغ بنا رکھا ہے۔

اسی علاقہ میں پٹھان کوٹ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں جمال پور واقع ہے جہاں چند بندگان خدا نے "دارالاسلام" کی بنا رکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس غرض کے لیے ساٹھ ستر ایکڑ زمین حاصل کر لی گئی ہے جو راہ خدا میں وقف ہے۔ ایک مسجد، ایک کتب خانہ کی عمارت، ایک دارالاقامہ (جو بیس پچیس آدمیوں کے لیے کافی ہو سکتا ہے) اور دو مکان تعمیر کر لیے گئے ہیں۔ سر دست کام کی ابتدا کرنے کے لیے اتنی عمارتیں کافی ہیں۔ زمین وقف میں اتنی گنجائش ہے کہ آئندہ جیسی ضروریات پیش آئیں ان کے مطابق جدید عمارتیں بنا لی جائیں۔ نیز اطراف و اکناف میں پھیلنے کے لیے بھی بہت کافی جگہ موجود ہے اور وقف کی زمین اتنی زرخیز و شاداب ہے کہ اگر اسے صحیح طریقہ پر استعمال کیا جائے تو پانچ چھ ہزار روپیہ سالانہ آمدنی دے سکتی ہے۔ یہ ان ابتدائی کاموں کے لیے کافی ہے جو

پیش نظر ہیں۔ شہری آبادیوں سے یہ جگہ دور بھی ہے اور یہاں وہ آسانیاں بھی بہم پہونچ سکتی ہیں جو شہری زندگی کے لیے درکار ہیں۔ ریلوے اسٹیشن سرنا (جو امرتسر پٹھان کوٹ لائن پر واقع ہے) یہاں سے صرف دس منٹ کی مسافت پر ہے۔ قریب ہی سے برق آبی (ہائیڈرو الکٹرک سسٹم) کا سلسلہ گذرا ہے جس سے ضرورت کے وقت نہایت سستی بجلی حاصل کی جا سکتی ہے۔ دوسری طرف ایک بہت بڑی نہر (جس میں پورا دریائے راوی منتقل کر دیا گیا ہے) زمین وقف سے متصل ہو کر ہی گزری ہے۔ اور یہ پانی حاصل کرنے کا ایسا ذریعہ ہے جو تمام ضروریات کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ غرض یہاں ترقی کے امکانات غیر محدود ہیں، اور اس کے ساتھ یہ مقام شہری آبادیوں سے اتنی دور ہے کہ ہم کو ایک آزاد ماحول میسر آ سکتا ہے جس میں ہم اپنی دنیا الگ بنا سکتے ہیں۔

مقصد اس الگ تھلگ، باہمہ و بے ہمہ مقام پر جس تخیل کو ہم عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں اس کے لیے "دار الاسلام" کے سوا اور کوئی نام جامع و مانع نہیں ہو سکتا۔ صرف یہی ایک نام ہے جو اس کے تمام حدود پر حاوی ہو سکتا ہے۔ اصطلاح فقہی سے قطع نظر کیجیے کہ اس کے لحاظ سے تو دار الاسلام صرف اس جگہ کو کہیں گے جہاں اسلامی حکومت ہو اور اسلامی قانون بغیر کسی منع و مزاحمت کے پوری طرح نافذ ہو۔ بد قسمتی سے اس وقت ہندوستان میں ایسی کوئی جگہ تو ہم کو میسر نہیں آ سکتی۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس وقت جیسے کچھ حالات بھی ہندوستان کے ہیں، انہی میں کم از کم زمین کا ایک گوشہ ایسا بہم پہونچایا جائے جہاں خالص اسلامی ماحول پیدا کیا جا سکے۔ جہاں اخلاق اسلامی ہوں، معاشرت اسلامی ہو، عملی زندگی مسلمانوں کی سی ہو، گرد و پیش ہر طرف اسلام اپنی روح اور اپنی صورت کے ساتھ نمایاں رہو۔ جہاں کسی چیز کے صحیح ہونے کے لیے صرف یہ دلیل کافی ہو کہ خدا اور رسول نے اس کا حکم دیا ہے یا اس کی اجازت دی ہے، اور کسی چیز کا غلط ہونا صرف اس دلیل سے تسلیم کیا جائے کہ خدا اور اس کے رسول نے اس سے منع کیا ہے یا اس کو ناپسند کیا ہے۔ جہاں یہ بغاوت اور سرکشی کا ماحول

یہ غیر اسلامی فضا نہ ہو جس نے سارے ہندوستان کا احاطہ کرلیا ہے۔ جہاں ہم کو کم از کم اتنا اختیار تو ہو کہ بیرونی دنیا کے جن اثرات کو ہم روح اسلامی کے موافق پائیں صرف انہی کو داخل ہونے دیں اور جن کو منافی پائیں ان کو اپنی زندگی پر مسلط ہونے اور اپنے دل و دماغ میں نفوذ کرنے سے روک سکیں۔ سیاسی اقتدار کے بغیر محض اجتماعی کوشش سے جس حد تک بھی اسلامی ماحول پیدا کیا جاسکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسے پیدا کریں اور ایسے ماحول میں رہ کر مسلمان کی طرح سوچیں، مسلمان کی نظر سے دیکھیں، مسلمانوں کی سی صفات اپنے اندر پیدا کریں، اپنی زندگی کو مسلمان کی زندگی بنائیں اور اپنے اندر سے ان گندگیوں اور آلائشوں کو نکالیں جو غیر اسلامی ماحول میں آنکھیں کھولنے اور نشوونما پانے کی وجہ سے ہمارے افکار اور اعمال میں گھس گئی ہیں، جن کا شعور تک بھی بسا اوقات ہم کو نہیں ہوتا اور جن کو اگر ہم محسوس بھی کرلیتے ہیں تو ماحول کی طاقت اتنی جابر و قاہر ثابت ہوتی ہے کہ باوجود کوشش کرنے کے ہم اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو ان سے نہیں بچاسکتے۔ اس قسم کی اخلاقی تربیت سے جو قوت ہمارے اندر پیدا ہو ہم چاہتے ہیں کہ اسے اس نصب العین کی خدمت میں صرف کریں جو مسلمان کی زندگی کا واحد نصب العین ہے، یعنی یہ کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کے مقابلے میں سب کلمے دب جائیں۔ اس کے معنی بس اتنے ہی نہیں ہیں کہ محض تبلیغ اسلام کی جائے جس طرح عیسائی مشنری مسیحیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس نظام زندگی کو عملاً نافذ کرکے بتایا جائے جسے اسلام پیش کرتا ہے۔ ان اصولوں کو واقعات کی دنیا میں برت کر دکھایا جائے جن کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ آج اس بیسوی صدی میں ہندوستان کے اندر ہمارے سامنے زندگی کے جو مسائل درپیش ہیں انہیں علمی و عملی دونوں حیثیتوں سے اصول اسلام کے مطابق حل کیا جائے، اور تیرہ سو برس کے پرانے اسلام کو اس جدید دور حیات میں کام کرتے ہوئے دکھا دیا جائے تاکہ مسلمان اور غیر مسلم سب اس کو اس کی اصلی صورت میں ایک زندہ، متحرک، کارکن، کار فرما اور پیش رو طاقت کی حیثیت سے دیکھیں، اور اس کا بہترین نظام زندگی ہونا ہمارے زبانی ادعا سے نہیں بلکہ دماغوں کو مطمئن کرنے

والے علمی استدلال اور آنکھوں کو نظر آنے والے عملی مظاہر سے ثابت ہو جائے۔

ضرورت اسلام محض ایک عقیدہ نہیں ہے، نہ وہ محض چند "مذہبی" اعمال اور رسموں کا مجموعہ ہے، بلکہ وہ انسان کی پوری زندگی کے لیے ایک مفصل اسکیم ہے۔ اس میں عقائد، عبادات اور عملی زندگی کے اصول و قواعد الگ الگ چیزیں نہیں ہیں، بلکہ سب مل کر ایک ناقابل تقسیم مجموعہ بناتے ہیں جس کے اجزا کا باہمی ربط بالکل ایسا ہی ہے جیسا ایک زندہ جسم کے اعضا میں ہوتا ہے۔ آپ کسی زندہ آدمی کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں، آنکھیں اور کان اور زبان جدا کر دیں، معدہ اور جگر نکال دیں، پھیپھڑے اور گردے الگ کر دیں، دماغ بھی پورا یا کچھ کم وبیش کاسۂ سر سے خارج کر دیں، اور بس ایک دل اس کے سینے میں رہنے دیں۔ کیا یہ باقی ماندہ حصۂ جسم زندہ رہ سکیگا؟ اور اگر زندہ بھی رہے تو کیا وہ کسی کام کا ہوگا؟ ایسا ہی حال اسلام کا بھی ہے۔ عقائد اس کا قلب ہیں۔ وہ طریقِ فکر، نظریۂ حیات، مقصد زندگی اور معیار قدر جو ان عقائد سے پیدا ہوتا ہے اس کا دماغ ہے۔ عبادات اس کے جوارح اور قوائم ہیں جن کے بل پر وہ کھڑا ہوتا ہے اور کام کرتا ہے۔ معیشت، معاشرت، سیاست اور نظم اجتماعی کے دوسرے اصول جو اسلامی زندگی کے لیے اس نے پیش کیے ہیں وہ اس کے لیے معدے اور جگر اور دوسرے اعضائے رئیسہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اس کو صحیح و سالم آنکھوں اور بے عیب کانوں کی ضرورت ہے تاکہ وہ زمانے کے احوال و ظروف کی ٹھیک ٹھیک رپورٹیں دماغ تک پہنچائیں اور دماغ ان کے متعلق صحیح حکم لگائے۔ اس کو اپنے قابو کی زبان درکار ہے تاکہ وہ اپنی خودی کا کماحقہٗ اظہار کرے۔ اس کو پاک صاف فضا کی حاجت ہے جس میں وہ سانس لے سکے۔ اس کو طیب و طاہر غذا مطلوب ہے جو اس کے معدے سے مناسبت رکھتی ہو اور اچھا خون بنا سکے۔ اس پورے نظام میں اگرچہ قلب بہت اہمیت رکھتا ہے، مگر اس کی اہمیت اسی لیے تو ہے کہ وہ تمام اعضا و جوارح کو زندگی کی طاقت بخشتا ہے۔ جب اکثر و بیشتر اعضا کٹ جائیں

جسم سے خارج کر دیے جائیں یا خراب ہوجائیں تو اکیلا قلب تھوڑے بہت بچے کھچے خستہ و بیمار اعضا کے ساتھ کیسے زندہ رہ سکتا ہے، اور اگر زندہ بھی رہے تو اس زندگی کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔

اب آپ غور فرمائیں کہ اس وقت آپ اپنی اسی ہندوستان کی دنیا میں اسلام کو کس حال میں دیکھ رہے ہیں۔ قوانین اسلامی قریب قریب معطل ہیں۔ اخلاق میں، معاشرت میں، معیشت میں اور زندگی کے سارے معاملات میں اصولِ اسلامی کا نفاذ پانچ فی صدی سے زیادہ نہیں ہے۔ غیر اسلامی ماحول، غیر اسلامی تربیت اور غیر اسلامی تعلیم نے دماغ کو کہیں بالکل اور کہیں کچھ کم و بیش غیر مسلم بنا دیا ہے۔ آنکھیں دیکھتی ہیں مگر ان کا زاویۂ نظر بدل گیا ہے، کان سنتے ہیں مگر ان کے پردے متغیر ہوچکے ہیں، زبان بولتی ہے مگر اس کی گویائی میں فرق آگیا ہے۔ پھیپھڑوں کو صاف ہوا میسر نہیں کہ ایک زہریلی فضا چاروں طرف محیط ہے۔ معدے کو پاک غذا نہیں ملتی کہ رزق کے خزانے مسموم ہوچکے ہیں۔ عبادات جو اس جسم کے جوارح اور قوائم ہیں قریب قریب ۶۰ فی صدی تو مفلوج ہیں اور چالیس فیصدی جو باقی ہیں وہ بھی کوئی اثر نہیں دکھا رہے ہیں۔ کیونکہ دوسرے اعضائے رئیسہ سے ان کا تعلق باقی نہیں رہا۔ اسی لیے فالج کا مادہ ان میں پھیلتا جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پورا اسلام ہے جو آپ کے سامنے ہے؟ کتنے ہی اعضا کٹ گئے۔ کتنے مفلوج ہوگئے۔ کتنے موجود ہیں مگر بیمار ہیں اور ٹھیک کام ہی نہیں کررہے ہیں۔ انکے ساتھ ایک قلب باقی ہے، اور وہ خود بیمار ہو رہا ہے۔ کیونکہ جس طرح وہ ان اعضا کو زندگی کی طاقت بخشتا تھا اسی طرح خود بھی توان سے طاقت حاصل کرتا تھا۔ جب دماغ اور پھیپھڑوں اور معدہ و جگر سب کا فعل خراب ہوگیا تو قلب کیسے صحیح و سالم رہ سکتا ہے۔ یہ محض اس زبردست قلب کی غیر معمولی طاقت ہے کہ نہ صرف خود زندہ ہے، بلکہ بچے کھچے اعضا کو بھی کسی نہ کسی طرح چلائے جا رہا ہے، مگر کیا اس اعضا بریدہ اسلام میں کوئی کشش ہوسکتی ہے کہ یہ اپنی طرف لوگوں کو کھینچے؟ کیا اس میں یہ طاقت ہے کہ ہندوستان کی زندگی میں اپنا کوئی اثر قائم کرسکے؟ بلکہ خاکم بدہن میں تو یہ پوچھوں گا

کہ اس نوبت پر کیا یہ ان حوادث کے مقابلہ میں جن کا سیلاب روز افزوں تیزی کے ساتھ آرہا ہے اپنے بقیہ اعضاء کو مزید قطع و برید سے اور خود اپنے آپ کو موت سے بچا سکتا ہے؟

اسی کا نتیجہ ہے کہ یَدْخُلُونَ فِی دِینِ اللہِ اَفْوَاجًا کے برعکس اب خود مسلمانوں کے گروہ میں اسلام سے بغاوت اور انحراف کی وبا پھیل رہی ہے سارے ہندوستان میں اور اس کے اطراف و اکناف میں کہیں بھی نظام اسلامی اپنی پوری مشینری کے ساتھ کام کرتا ہوا نظر نہیں آتا کہ لوگ اس کے جمال و کمال کو دیکھیں اور درخت کو اس کے پھلوں سے پہچانیں۔ وہ جس چیز کو دیکھتے ہیں وہ یہی اعضا بریدہ اسلام ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ بس اسلام یہی ہے۔ اس کو دیکھ کر بعض تو علانیہ کہہ رہے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو مسلمان ہونے سے بس انکار نہیں کرتے باقی تمام باتیں ایسی کرتے ہیں کہ ان میں اور منکرین اسلام میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ بہت سوں کے دل پھر گئے ہیں، مگر چونکہ ابھی صریح بغاوت برپا نہیں ہوئی ہے اس لیے وہ منافقت کے ساتھ مسلمانوں میں شامل ہیں اور بغاوت کے جراثیم پھیلا رہے ہیں تاکہ جب عام طور پر شروع ہو جائے تب خود بھی اپنا جھنڈا لے کر کھڑے ہوں۔ کچھ لوگ صاف نہیں کہتے مگر دبی زبان سے کہہ رہے ہیں کہ نئی قومیت اور نئی تہذیب میں جذب ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ، کیونکہ یہ تن مردہ جسے تم لیے بیٹھے ہو، نہ خود تمہیں کوئی فائدہ پہونچاتا ہے اور نہ ان فوائد ہی سے متمتع ہونے دیتا ہے جو دوسروں میں جذب ہونے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک اب مسئلے کا صحیح حل یہ ہے کہ اسلام کا باضابطہ مُثلہ کر ڈالا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف مذہبی عقائد اور مذہبی حرکت و عمل کی حد تک مسلمان رہنا چاہیے باقی زندگی کا سارا پروگرام وہی اختیار کر لینا چاہیے جو غیر مسلموں نے سکھایا ہے اور جس کو غیر مسلم اختیار کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ خود دھوکے میں ہیں یا دھوکہ دینا چاہتے ہیں، بہرحال یہ حقیقت ہے کہ تمام معاملات زندگی میں غیر اسلامی نظریات اختیار کرنے اور غیر اسلامی اصول پر عامل ہو جانے کے بعد مذہبی عقائد اور مذہبی حرکت و عمل خود ہی بے معنی

ہوجاتے ہیں۔ نہ ان پر زیادہ مدت تک ایمان باقی رہ سکتا ہے اور نہ عمل جاری رہ سکتا ہے اس لیے کہ یہ عقائد اور یہ عبادات تو وہ بنیادیں ہیں جن کو اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ زندگی کی پوری عمارت ان پر تعمیر ہو۔ جب یہ عمارت دوسری بنیادوں پر تعمیر ہو گئی تو ان آثار قدیمہ سے بے فائدہ و بے ضرورت دلچسپی کب تک باقی رہ سکے گی۔ نئے نظام زندگی میں جو بچہ پرورش پاکر جوان ہوگا وہ پوچھے گا کہ چند لاحاصل عقیدوں اور چند بےنتیجہ رسموں کا یہ قلادہ کیوں میرے گلے میں ڈال رکھا ہے؟ میں کیوں اس قرآن کو پڑھوں اور کیوں اس پر ایمان رکھوں جس کے سارے احکام اب بے کار ہو چکے ہیں؟ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے جو ایک انسان گذر چکا ہے آج اس کو میں کس لیے خدا کا رسول مانوں؟ جب اِس زندگی میں وہ میری رہنمائی ہی نہیں کرتا تو محض اس کی رسالت تسلیم کرلینے سے فائدہ کیا اور نہ تسلیم کرنے سے نقصان کیا؟ یہ نظام حیات جس پر میں عمل کر رہا ہوں؟ اس میں نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے اور روزہ رکھنے یا نہ رکھنے سے کیا فرق واقع ہوتا ہے؟ کیا ربط ہے ان اعمال اور اس زندگی کے درمیان؟ یہ بےجوڑ پیوند میری زندگی میں آخر کیوں لگا رہے؟ —— یہ منطقی نتیجہ ہے دین اور دنیا کی علاحدگی کا اور جب یہ علاحدگی اصولاً اور عملاً مکمل ہو جائیگی تو یہ نتیجہ رونما ہو کر رہے گا۔ جس طرح نظام جسمانی سے الگ ہو جانے کے بعد قلب بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح زندگی سے بے تعلق ہو جانے کے بعد عقائد اور عبادات کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ عقائد اور عبادات اسلامی زندگی کو قوتِ حیات دیتے ہیں اور اسلامی زندگی عقائد اور عبادات کو طاقت بہم پہونچاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کرچکا ہوں ان دونوں میں ایک زندہ نظام جسمانی کے اعضا کا سا تعلق ہے جسے منقطع کر دینے کا لازمی نتیجہ دونوں کی موت ہے۔ غیر اسلامی زندگی میں اسلامی عقائد اور عبادات کا پیوند بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے گوریلا کے جسم میں انسانی دماغ اور انسانی دست و پا۔

یہ نہ سمجھ لیجیے کہ اسلام کی موجودہ حالت کا یہ اثر صرف نئے تعلیم یافتہ طبقہ کے ایک مختصر گروہ پر ہی مترتب ہو رہا ہے۔ نہیں۔ آج جو لوگ سچے دل سے مسلمان ہیں، جن کے دلوں میں اس مذہب کی

محبت اور عزت موجود ہے، خواہ نئے گروہ کے لوگ ہوں یا پرانے گروہ کے، ان سب پر کم و بیش ان حالات کا اثر پڑ رہا ہے۔ اسلامی نظام زندگی کا درہم برہم ہو جانا ایک عام مصیبت ہے جس کے طبعی نتائج سے کوئی مسلمان بھی محفوظ نہیں ہے اور نہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہم سب کو اس میں سے حصہ مل رہا ہے۔ اور ہمارے علما و مشائخ بھی اس میں اتنے ہی حصہ دار ہیں جتنے مدرسوں اور کالجوں سے نکلے ہوئے لوگ۔

لیکن سب سے زیادہ خطرہ میں ہمارے وہ عوام ہیں جو کروڑوں کی تعداد میں ۱۶ لاکھ مربع میل کے وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس صرف "اسلام" کا نام باقی ہے جس سے ان کو غیر معمولی محبت ہے۔ نہ علمی حیثیت سے یہ غریب اس چیز سے واقف ہیں جس پر یہ اس طرح جان دے رہے ہیں۔ اور نہ عملی حیثیت سے کوئی ایسا نظام زندگی موجود ہے جو انہیں غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رکھ سکے۔ ان کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر ہر گمراہ کرنے والا ان کے عقائد کو اور ان کی زندگی کو اسلام کی صراط مستقیم سے ہٹا سکتا ہے۔ بس انھیں اتنا اطمینان دلا دینا کافی ہے کہ یہ ضلالت جو ان کے سامنے پیش کی جا رہی ہے، یہی عین ہدایت ہے یا کم از کم اسلام کے خلاف نہیں ہے، اس کے بعد آپ جس راستے پر چاہیں انھیں بہکا لے جا سکتے ہیں، خواہ وہ قادیانیت کا راستہ ہو یا اشتراکیت کا۔ پھر ان کے روز افزوں افلاس اور ان کی ہولناک معاشی خستہ حالی نے جو مسائل پیدا کر دیے ہیں، ان کو موجودہ بے نظمی کی حالت میں اصول اسلام کے مطابق حل کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ مسلمانوں میں کوئی منظم جماعت ایسی موجود نہیں جو اشتراکیت کے مقابلہ میں اسلام کے معاشی و تمدنی اصولوں کو لے کر اٹھے اور ان مسائل کو حل کر کے دکھا دے جو عام مسلمانوں کے لیے فی الواقع بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کروروں مفلس و فاقہ کش مسلمانوں کی یہ بھیڑ اشتراکی مبلغین کے لیے نہایت سہل الحصول شکار بن گئی ہے۔ بورژوا طبقہ کے جن لوگوں میں

حوصلہ مندی اور اقتدار کی حرص ذرا اعتدال سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ ہمیشہ سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لیے نئی نئی تدبیریں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اب روسی انقلاب نے اس طبقہ کے ایک گروہ کو ایک اور تدبیر سکھا دی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسان اور مزدور کے حامی بن کر غریب عوام کو اپنے ہاتھ میں لیں، ان کے اندر خود غرضی حرص اور حسد کی آگ بھڑکائیں، ان کے جائز حقوق سے بڑھ کر انہیں دولت میں حصہ دلوانے کا لالچ دلائیں، خوشحال طبقوں کی جائز دولت تک چھین کر ان میں تقسیم کر دینے کا وعدہ کریں، اور اس طرح ملک کے سواد اعظم کو اپنی مٹھی میں لے کر وہ اقتدار حاصل کریں جو سرمایہ داری نظام کے پادشاہوں، ڈکٹیٹروں اور کروڑپتیوں کو حاصل ہے۔ یہ لوگ غیر مسلم عوام سے بڑھ کر مسلم عوام سے توقعات رکھتے ہیں کیونکہ معاشی حیثیت سے مسلمان زیادہ خستہ حال ہیں۔ یہ ان کے دلوں پر قبضہ کرنے کے لیے پیٹ کی طرف سے راستہ پیدا کر رہے ہیں جو بھوکے آدمی کے جسم کا سب سے زیادہ نازک حصہ ہوتا ہے۔ یہ ان سے کہتے ہیں کہ آؤ، "ہم وہ طریقہ بتائیں" جس سے امیری اور غریبی مرتی ہے اور آسودہ حالی آتی ہے"۔ پھر جب بیچارا بھوکا مسلمان دو روٹیوں کی امید پر انکی طرف دوڑتا ہے تو یہ اسے خدا پرستی کے بجائے شکم پرستی کے مذہب کی تلقین کرتے ہیں، اور یہ جذبہ اس کے دل میں پیدا کرتے ہیں کہ دین اور ایمان کوئی چیز نہیں، اصل چیز روٹی ہے، وہ جس طریقے سے ملے وہی دین ہے اور اسی میں نجات ہے:-

> "غریبوں مفلوں اور غلاموں کا کوئی مذہب اور کوئی تمدن نہیں۔ اس کا سب سے بڑا مذہب روٹی کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس کا سب سے بڑا تمدن ایک پھٹا پرانا کرتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ایمان اس موجودہ افلاس اور نکبت سے چھٹکارا پا لینا ہے۔ وہی روٹی اور کپڑا جس کے لیے وہ چوری تک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آج افلاس اور غلامی کی دنیا میں اس کا کوئی مذہب نہیں"

یہ ابتدائی سبق ہے مذہب اشتراکیت کا اور جس آن یہ سبق بیچارے جاہل و مفلس مسلمانوں کو دیا جاتا ہے، اسی آن انھیں اس امر کا اطمینان بھی دلادیا جاتا ہے کہ ہم تمہارے مذہب کو ہاتھ نہیں لگاتے:-

"مذہب اور عقائد کو ان باتوں سے کیا خطرہ؟ کیا تعلق؟ مذہب تو ہمیشہ، اگر اس میں خلاقی اور روحانی طاقت رہی ہے، زندہ تابندہ اور پائندہ ہی رہا ہے[1]۔"

گذشتہ ۲۰ سال کے اندر روسی اشتراکیت کے جو اثرات مسلمانان روس کی نوخیز نسلوں پر مترتب ہوئے ہیں وہ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہی مستقبل مسلمانان ہند کے سامنے بھی دھمکیاں دیتا ہوا آرہا ہے۔ پیٹ کی آگ متاع ایمان کو خاکستر کر دینے کے لیے بڑھ رہی ہے۔ ابھی تک یہ سرچشمہ اتنا چھوٹا ہے کہ اسے ایک سلائی سے بند کیا جا سکتا ہے لیکن اگر غفلت کے چند سال یوں ہی گذار دیے گئے، تو یہ اتنا بڑا سیلاب بن جائیگا کہ اس کے مقابلے میں ہاتھیوں کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔

طریق کار ان حالات میں محض مشنریوں کے ڈھنگ پر اسلام کی تبلیغ کر دینا لاحاصل ہے۔ عقائد کی اصلاح کے لیے ایک رسالہ نہیں ہزاروں رسالے اگر لاکھوں کی تعداد میں بھی شائع کر دیے جائیں تو یہ حالات روبراہ نہیں آسکتے محض زبان اور قلم سے اسلام کی خوبیوں کو بیان کر دینے سے کیا فائدہ؟ ان خوبیوں کو واقعات کی دنیا میں سامنے لانے کی ضرورت ہے محض یہ کہدینے سے کہ اسلام کے اصولوں میں زندگی کے مسائل کا حل موجود ہے، کیا یہ مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے؟ اسلام میں بالقوۃ جو کچھ موجود ہے اس کو بالفعل بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ دنیا کشمکش اور جدوجہد کی دنیا ہے۔ اس کی رفتار محض باتوں سے نہیں بدلی جا سکتی۔ اس کو بدلنے کے لیے انقلاب انگیز جہاد کی ضرورت ہے اگر اشتراکی اپنے غلط اصولوں کو لے کر نصف صدی کے اندر دنیا کے ایک بڑے حصہ میں اپنا اثر و اقتدار قائم کر سکتے ہیں، اگر فاشسٹ اپنے غیر معتدل طریقوں کو لے کر دنیا پر اپنی دھاک بٹھا سکتے

[1] یہ دونوں فقرے جو یہاں نقل کیے گئے ہیں۔ ایک مسلمان صاحب کے مضمون سے ماخوذ ہیں جو "مدینہ" جیسے کثیر الاشاعت مسلم اخبار کی

ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان جن کے پاس حق اور عدل کے غیر فانی اصول ہیں، ایک مرتبہ پھر دنیا میں اپنا سکہ نہ جما سکیں۔ مگر یہ سکہ نرے وعظ و تلقین سے نہیں جم سکتا۔ اس کے لیے سعی و عمل کی ضرورت ہے، اور انہی طریقوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے جن سے سنت اللہ کے مطابق دنیا میں سکہ جما کرتا ہے۔

اسوۂ رسول اللہ

"انقلاب انگیز جدوجہد" ایک مبہم لفظ ہے۔ اس کی عملی صورتیں بہت سی ہیں اور بہت سی ہو سکتی ہیں۔ جس قسم کا انقلاب برپا کرنا مقصود ہو اس کے لیے وہی صورت اختیار کرنی پڑے گی جو اس انقلاب کی فطرت سے مناسبت رکھتی ہو۔

ہم جو انقلاب چاہتے ہیں اس کے لیے ہمیں کوئی نئی صورت تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ انقلاب اس سے پہلے برپا ہو چکا ہے۔ جس پاک انسان نے (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلی مرتبہ یہ انقلاب برپا کیا تھا، وہی اس کی فطرت کو خوب جانتا تھا، اور اسی کے اختیار کیے ہوئے طریقہ کی پیروی کر کے آج بھی یہ انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ اس پاک ہستی کی سیرت ایک لحاظ سے معجزہ ہے، مگر دوسرے لحاظ سے اسوہ بھی ہے۔ وہ اخلاق، وہ تقویٰ، وہ حکمت، وہ عدالت، وہ شخصیت، وہ انسانیت کبریٰ کی عظیم الشان خصوصیات اب کوئی انسان کہاں سے لا سکتا ہے؟ اس لیے اب کوئی انسان اتنا کمال درجہ کا انقلاب بھی کہاں برپا کر سکتا ہے؟ اس لحاظ سے وہ معجزہ ہے اور قیامت تک کے لیے معجزہ ہے۔ لیکن اس انسان اکبر نے جو نمونہ چھوڑا ہے اس کا طبعی خاصہ وہی انقلاب انگیزی ہے جس کی نظیر ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دنیا کے سامنے آ چکی ہے۔ اس نمونہ کی جتنی زیادہ پیروی کی جائے گی اور جس قدر زیادہ اس سے مماثلت پیدا کی جائے گی، اسی قدر زیادہ انقلاب انگیز نتائج بھی ظاہر ہوں گے اور وہ اُس پہلے انقلاب سے اتنے ہی زیادہ اقرب ہوں گے جو اصل نمونہ کی طاقت سے برپا ہوا تھا۔ اس لحاظ سے وہ اسوہ ہے اور قیامت تک کے لیے اسوہ ہے۔ بیسویں صدی ہو یا چالیسویں صدی۔ ہندوستان ہو یا امریکہ یا روس، جہاں اور جس وقت چاہیں آپ اسی نوعیت کا انقلاب برپا کر سکتے ہیں، بشرطیکہ

اسی اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر کام کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریقہ سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی دنیا میں انقلاب برپا کیا تھا، اس کی تفصیلات یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں۔ یہاں صرف اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ "دار الاسلام" کا تخیل اسی اسوۂ پاک کے غائر مطالعہ سے پیدا ہوا ہے۔

آنحضرت جب مبعوث ہوئے تو روئے زمین پر ایک شخص بھی مسلم نہ تھا۔ آپ نے اپنی دعوت دنیا کے سامنے پیش کی اور آہستہ آہستہ متفرق طور پر ایک ایک دو دو چار چار آدمی مسلمان ہوتے چلے گئے۔ یہ لوگ اگرچہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط ایمان رکھتے تھے، اور ایسی فدویت ان کو اسلام کے ساتھ تھی کہ دنیا ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، مگر چونکہ متفرق تھے، کفار کے درمیان گھرے ہوئے تھے، بے بس اور کمزور تھے، اس لیے اپنے ماحول سے لڑتے لڑتے ان کے بازو شل ہو، ہو جاتے تھے اور پھر بھی وہ ان حالات کو نہ بدل سکتے تھے جن کو بدلنے کے لیے وہ اور ان کے ہادی و مرشد فداہ ابی و امی کوشش فرما رہے تھے۔ ۱۳ سال تک حضور اسی طرح جدوجہد کرتے رہے اور اس مدت میں سرفروش اہل ایمان کی ایک مٹھی بھر جماعت آپ نے فراہم کر لی۔ اس کے بعد اللہ نے دوسری تدبیر کی طرف آپ کی ہدایت فرمائی اور وہ یہ تھی کہ ان سرفروشوں کو لے کر کفر کے ماحول سے نکل جائیں ایک جگہ ان کو جمع کر کے اسلامی ماحول پیدا کریں۔ اسلام کا ایک گھر بنائیں جہاں اسلامی زندگی کا پورا پروگرام نافذ ہو۔ ایک مرکز بنائیں جہاں مسلمانوں میں اجتماعی طاقت پیدا ہو۔ ایک ایسا پاور ہاوس بنا دیں جس میں تمام برقی طاقت ایک جگہ جمع ہو جائے اور پھر ایک منضبط طریقہ سے وہ پھیلنی شروع ہو یہاں تک کہ زمین کا گوشہ گوشہ اس سے منور ہو جائے۔ مدینہ طیبہ کی جانب آپ کی ہجرت اسی غرض کے لیے تھی۔ تمام مسلمان جو عرب کے مختلف قبیلوں میں منتشر تھے، ان سب کو حکم دیا گیا کہ سمٹ کر اس مرکز پر جمع ہو جائیں۔ یہاں اسلام کو عمل کی صورت میں نافذ کر کے بتایا گیا۔ اس

پاک ماحول میں پوری جماعت کو اسلامی زندگی کی ایسی تربیت دی گئی کہ اس جماعت کا ہر شخص ایک چلتا پھرتا اسلام بن گیا جسے دیکھ لینا ہی یہ معلوم کرنے کے لیے کافی تھا کہ اسلام کیا ہے اور کس لیے آیا ہے۔ ان پر اللہ کا رنگ (صبغة الله ومن احسن من الله صبغة) اتنا گہرا چڑھایا گیا کہ وہ جدھر جائیں دوسروں کا رنگ قبول کرنے کے بجائے اپنا رنگ دوسروں پر چڑھا دیں۔ ان میں کیرکٹر کی آہنی طاقت پیدا کی گئی کہ وہ کسی سے مغلوب نہ ہوں اور جو ان کے مقابلے میں آئے ان سے مغلوب ہو کر رہ جائے۔ ان کی رگ رگ میں اسلامی زندگی کا نصب العین اس طرح پیوست کر دیا گیا کہ زندگی کے ہر عمل میں وہ مقدم ہو اور باقی تمام دنیوی اغراض ثانوی درجہ میں ہوں۔ ان کو تعلیم اور تربیت دونوں کے ذریعہ سے اس قابل بنا دیا گیا کہ جہاں جائیں زندگی کے اسی پروگرام کو نافذ کر کے چھوڑیں جو قرآن وسنت نے انھیں دیا ہے، اور ہر قسم کے بگڑے ہوئے حالات کو منقلب کر کے اسی کے مطابق ڈھال لیں۔

یہ حیرت انگیز تنظیم تھی جس کا ایک ایک جزء گہرے مطالعہ اور غور و فکر کا مستحق ہے۔ اس تنظیم میں کام کو چار بڑے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

(۱) ایک گروہ ایسے لوگوں کا تیار کیا جائے جو دین میں تفقہ حاصل کریں اور جن میں یہ استعداد ہو کہ لوگوں کو دین اور اس کے احکام بہترین طریقہ پر سمجھا سکیں۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ (التوبہ: ۱۵)

(۲) کچھ لوگ ایسے مہیا رکیے جائیں جن کی زندگیاں اسلام کے نظام العمل کو قائم کرنے اور پھیلانے کی سعی و جہد کے لیے وقف ہوں۔ جماعت کا فرض ہے کہ ان کو کسب معیشت سے بے نیاز کر دے لیکن خود انہیں اس کی پروا نہ ہو۔ چاہے معیشت کا کوئی انتظام ہو یا نہ ہو، بہر حال وہ اپنے دل کی لگن سے مجبور ہوں اور ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کر کے اس کام میں لگے رہیں جو انکی

زندگی کا واحد نصب العین ہے ۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ (آل عمران : ۱۱) ۔

(۳) پوری جماعت میں یہ جذبہ پیدا کیا جائے کہ ہر ہر شخص اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنی زندگی کا اصل مقصد سمجھے ۔ وہ اپنے دنیا کے کاروبار چلاتا رہے مگر ہر کام میں یہ مقصد اسکے سامنے ہو ۔ تاجر اپنی تجارت میں، کسان اپنی زراعت میں، صناع اپنے پیشے کے کام میں اور ملازم اپنی ملازمت میں اس مقصد کو کبھی نہ بھولے ۔ وہ ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھے کہ یہ سب کام جینے کے لیے ہیں اور جینا اس ایک کام کے لیے ہے ۔ وہ زندگی کے جس دائرے میں بھی کام کرے، اپنے اقوال و افعال اور اپنے اخلاق اور معاملات میں اسلام کے اصول کی پابندی کرے اور جہاں دنیوی فوائد میں اور اصول اسلام میں تعارض واقع ہو جائے وہاں فوائد پر لات مار دے اور اصول کو ہاتھ سے دے کر اسلام کی عزت کو بٹہ نہ لگائے ۔ پھر وہ جتنا مال اور جتنا وقت اپنی ذاتی ضروریات سے بچا سکتا ہو، اس کو اسلام کی خدمت میں صرف کر دے اور ان لوگوں کا ہاتھ بٹائے جنہوں نے اپنی زندگیاں اس کام کے لیے وقف کی ہیں ۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران : ۱۲) ۔

(۴) باہر کے لوگوں کو موقع دیا جائے کہ دار الاسلام میں آئیں اور اس ماحول میں رہ کر کلام اللہ کا مطالعہ کریں جہاں کی ساری زندگی اس کلام پاک کی عملی تفسیر ہے ۔ کفر کے ماحول کی بہ نسبت اسلام کے ماحول میں وہ قرآن کو زیادہ بہتر سمجھیں گے اور زیادہ گہرا اثر لے کر واپس جائیں گے ۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهٗ (التوبہ ۱)

صرف آٹھ برس کی قلیل مدت میں دنیا کے اس سب سے بڑے ہادی و رہبر نے مدینہ کے پاور ہاؤس میں اتنی زبردست طاقت بھر دی کہ اس نے دیکھتے دیکھتے سارے عرب کو منور کر دیا اور پھر عرب سے

نکل کر اس کی روشنی روئے زمین پر پھیل گئی، حتّٰی کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس گذر چکے ہیں مگر وہ پاور ہاؤس اب بھی طاقت کے خزانوں سے بھرا ہوا ہے۔

ہم اسی پاور ہاؤس کی نقل اتارنا چاہتے ہیں۔ وہ عظیم الشان طاقت تو ہم گناہ گار کہاں سے لائیں گے مگر جب ہم اسکی نقل اتاریں گے تو کچھ نہ کچھ طاقت تو ہم میں پیدا ہی ہوگی محدب شیشہ جب آفتاب سے نسبت پیدا کریگا تو کچھ نہ کچھ حرارت تو اس میں مرتکز ہو ہی جائیگی۔ ساری دنیا نہ سہی، ہندوستان ہی سہی، اور سارا ہندوستان بھی نہ سہی، اس کا ایک حصہ ہی سہی۔ اگر ایک حصہ میں بھی ہم آفتاب رسالت سے لی ہوئی روشنی اور حرارت پھیلا سکے تو ہماری زندگی کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اللہ دوسروں کو بھی توفیق دیگا کہ یہی کام ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی کریں۔

دار الاسلام کی مختصر اسکیم دار الاسلام کا منصوبہ دراصل اسی نمونہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد جب نظام اسلامی میں بہت کچھ برہمی پیدا ہوگئی تو صوفیائے اسلام نے بھی اسی طریقہ کی پیروی میں جگہ جگہ خانقاہیں قائم کی تھیں۔ آج خانقاہ کا مفہوم اس قدر گر گیا ہے کہ یہ لفظ سنتے ہی انسان کے ذہن میں ایک ایسی جگہ کا تصور آجاتا ہے جہاں ہوا اور روشنی کا گذر نہ ہو، جہاں صدیوں تک جنتری کا ورق نہ پلٹے۔ مگر اصل میں یہ خانقاہ بھی اسی نمونہ کی ایک نقل تھی جسے سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قائم کیا تھا۔ صوفیائے کرام جن لوگوں میں اچھی استعداد پاتے تھے ان کو بیرونی دنیا کے گندے ماحول سے نکال کر کچھ مدت تک خانقاہ میں رکھتے تھے اور وہاں اعلیٰ درجہ کی تربیت دے کر انھیں اسی کام کے لیے تیار کرتے تھے جس کے لیے مرشد اعظم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیار کیا کرتے تھے۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں جو لوگ سچے دل سے اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، جن کے دلوں میں حوصلے ہیں مگر پراگندگی و انتشار کی وجہ سے مایوس ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو جہاں تک ممکن ہو رفتہ رفتہ ایک مرکز پر جمع کریں اور دار الاسلام میں ان کی اجتماعی طاقت سے

خالص اسلامی ماحول پیدا کر دیں۔ پھر کام کو اسی طرح چار شعبوں میں تقسیم کیا جائے جس طرح وحی خداوندی کے تحت سرکارؐ نے تقسیم کیا تھا۔

(۱) ایک شعبہ ایسا ہو جس میں اعلیٰ درجہ کی علمی استعداد کے لوگ شامل ہوں۔ ان میں سے جو لوگ علوم دینیہ میں دستگاہ رکھتے ہوں انھیں مغربی زبانوں سے اور علوم جدیدہ سے روشناس کیا جائے۔ اور جن حضرات نے علوم جدیدہ کی تحصیل کی ہو انہیں عربی زبان اور اسلامی علوم کی تعلیم دیجائے۔ پھر یہ لوگ قرآن اور سنت کا گہرا مطالعہ کرکے دین میں تفقہ اور بصیرت حاصل کریں۔ اس کے بعد ان کے مختلف گروپ بنادیئے جائیں۔ ہر گروپ ایک ایک شعبۂ علم کو لیکر اس میں اسلام کے اصول و نظریات کو جدید طرز پر مرتب کرے، زندگی کے جدید مسائل کو سمجھے اور اصول اسلام کے مطابق ان کا حل تلاش کرے، علوم کی بنیاد میں جو مغربی نقطۂ نظر پیوست ہوگیا ہے اس کو نکال کر اسلام کے نقطۂ نظر سے علوم کو از سر نو مدون کرے اور اپنی تحقیقات سے ایسا صالح لٹریچر پیدا کرے جو اسلام کی موافقت میں ایک ذہنی انقلاب برپا کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

(۲) دوسرا شعبہ ایسا ہو جس میں خدمت اسلام کے لیے اچھے کارکن تیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ پاکیزہ اخلاق، مضبوط سیرت، دُھن کے پکے اور اپنے نصب العین کے لیے سب کچھ قربان کر دینے والے لوگ، جو دیہات اور شہروں میں جائیں، اصول اسلام کے مطابق مسلمانوں کی تنظیم کریں، ان کے اخلاق کی اصلاح کریں، ان میں اسلام کا علم پھیلائیں، ان کے معاشی و تمدنی مسائل کو صحیح طریق پر حل کریں، اور اس حل کو اپنی کامیابی کے ساتھ عمل میں لاکر بتائیں کہ ہمارے غیر مسلم ہمسائے جو کسی بہتر حل سے واقف نہ ہونے ہی کی وجہ سے اشتراکیت کے راستے پر چلے جا رہے ہیں، اس سے بہتر چیز کو کامیاب ہوتے دیکھ کر اسی سے استفادہ کرنے پر مائل ہو جائیں۔ ان لوگوں کو ایک سلک میں منسلک کیا جائے تاکہ جہاں جہاں یہ کام کریں ان کا ایک ہی پروگرام ہو اور ایک ہی مرکز سے وابستہ رہیں۔ نیز اس

امر کی بھی کوشش کی جائے گی کہ جتنے لوگوں کو تنظیم و اصلاح کی خدمت پر لگایا جائے ان کی ضروریات زندگی حد درجہ مختصر ہوں، اور ان مختصر ضروریات سے انہیں بے نیاز کر دیا جائے۔

(۳) تیسرے شعبہ میں ایسے لوگ رہیں جو صرف تھوڑی مدت کے لیے دارالاسلام میں مقیم رہ کر واپس جانا چاہتے ہوں۔ انہیں دین کا علم اور اخلاقی تربیت دے کر چھوڑ دیا جائے کہ جہاں چاہیں رہیں مگر مسلمان کی طرح رہیں، دوسروں سے متاثر ہونے کے بجائے ان پر اپنا اثر ڈالیں، اپنے اصولوں میں سخت ہوں، اپنے عقائد میں مضبوط ہوں، بے مقصد زندگی نہ بسر کریں، ایک نصب العین ہر حال میں ان کے سامنے ہو، پاک طریقوں سے روزی کمائیں اور اس کا ایک حصہ ان لوگوں کی اعانت میں صرف کریں جنہوں نے اپنی زندگی اسی مشترک نصب العین کی خدمت کے لیے وقف کی ہے، نیز جتنا وقت بھی اپنی ضروریات سے بچا سکیں اس کو اسی خدمت میں صرف کریں۔

(۴) چوتھا شعبہ ایسے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے ہو جو محض عارضی طور پر دارالاسلام میں آکر کچھ علمی استفادہ کرنا چاہیں یا وہاں کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے خواہشمند ہوں۔ ان لوگوں کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیںگی اور اس امر کی کوشش کی جائے گی کہ وہ دارالاسلام سے اچھا اثر لے جائیں

رہبانیت اور قدامت پرستی نہیں | یہ ایک سرسری سا خاکہ ہے اس نظام کا جسے ہم قائم کرنا چاہتے ہیں اور ہماری کامیابی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ ہمارا یہ نظام اپنی روح اور اپنے جوہر میں مدینہ طیبہ کے اس مثالی نظام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مماثلت پیدا کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا۔ مدینہ طیبہ سے مماثلت پیدا کرنے کا مفہوم کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم ظاہری اشکال میں مماثلت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور دنیا اس وقت تمدن کے جس مرتبہ پر ہے اس سے رجعت کرکے اس تمدنی مرتبہ پر واپس جانے کے خواہشمند ہیں جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھے۔ اتباع رسولؐ و اصحابِ رسولؐ کا یہ مفہوم ہی سرے سے غلط ہے، اور اکثر دیندار لوگ غلطی سے اس کا یہی مفہوم لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک

سلف صالح کی پیروی اس کا نام ہے کہ جیسا لباس وہ پہنتے تھے ویسا ہی ہم پہنیں، جس قسم کے وہ کھانے کھاتے تھے اسی قسم کے کھانے ہم بھی کھائیں جیسا طرز معاشرت ان کے گھروں میں تھا بعینہٖ وہی طرز معاشرت ہمارے گھروں میں بھی ہو، تمدن وحضارت کی جو حالت ان کے عہد میں تھی اس کو ہم بالکل ایک متحجّر (Foscilised) صورت میں قیامت تک باقی رکھنے کی کوشش کریں، اور ہمارے اس ماحول سے باہر کی دنیا میں جو تغیرات واقع ہو رہے ہیں ان سب سے آنکھیں بند کر کے اپنے دماغ اور اپنی زندگی کے اردگرد ایک حصار کھینچ لیں جس کی سرحد میں وقت کی حرکت اور زمانے کے تغیر کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو۔ اتباع کا یہ تصور جو دورِ انحطاط کی کئی صدیوں سے دیندار مسلمانوں کے دماغوں پر مسلط رہا ہے، درحقیقت روحِ اسلام کے بالکل منافی ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جیتے جاگتے آثارِ قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی ڈرامہ بنائے رکھیں۔ وہ ہمیں رہبانیت اور قدامت پرستی نہیں سکھاتا۔ اس کا مقصد دنیا میں ایک ایسی قوم پیدا کرنا نہیں ہے جو تغیر وارتقار کو روکنے کی کوشش کرتی رہے، بلکہ اس کے بالکل برعکس وہ ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جو تغیر وارتقار کو غلط راستوں سے پھیر کر صحیح راستہ پر چلانے کی کوشش کرے۔ وہ ہم کو قالب نہیں دیتا بلکہ روح دیتا ہے، اور چاہتا ہے کہ زمان ومکان کے تغیرات سے زندگی کے جتنے بھی مختلف قالب قیامت تک پیدا ہوں ان سب میں یہی روح بھرتے چلے جائیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا میں ہمارا اصلی مشن یہی ہے۔ ہم کو "خیر امت" جو بنایا گیا ہے، تو یہ اس لیے نہیں کہ ہم ارتقار کے راستے میں آگے بڑھنے والوں کے پیچھے عقب لشکر (Rear Guard) کی حیثیت سے لگے رہیں، بلکہ ہمارا کام امامت ورہنمائی ہے، ہم مقدمۃ الجیش بننے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اور ہمارے خیر امۃٍ ہونے کا راز اُخرِجت للناس میں پوشیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا اصلی اسوہ جس کی پیروی ہم

کرنی چاہیے، یہ ہے کہ انہوں نے قوانین طبعی کو قوانین شرعی کے تحت استعمال کرکے زمین میں خدا کی خلافت کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ ان کے عہد میں جو تمدن تھا انہوں نے اس کے قالب میں اسلامی تہذیب کی روح پھونک دی۔ اس وقت جتنی طبعی قوتوں پر انسان کو دسترس حاصل ہو چکی تھی، ان سب کو انہوں نے اس تہذیب کا خادم بنایا، اور غلبہ و ترقی کے جس قدر وسائل تمدن نے فراہم کیے تھے ان سے کام لینے میں وہ کفار و مشرکین سے سبقت لے گئے تاکہ خدا سے بغاوت کرنے والوں کی تہذیب کے مقابلہ میں خدا کی خلافت سنبھالنے والوں کی تہذیب کامیاب ہو۔ اسی چیز کی تعلیم خدا نے اپنی کتاب میں ان کو دی تھی کہ اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ۔ ان کو یہ سکھایا گیا تھا کہ خدا کی پیدا کی ہوئی قوتوں سے کام لینے کا حق کافر سے زیادہ مسلم کو پہنچتا ہے بلکہ اس کا اصلی حق دار مسلم ہی ہے پس نبیؐ و اصحاب نبی کا صحیح اتباع یہ ہے کہ تمدن کے ارتقاء اور قوانین طبعی کے اکتشافات سے اب جو وسائل پیدا ہوئے ہیں ان کو ہم اسی طرح تہذیب اسلامی کا خادم بنانے کی کوشش کریں جس طرح صدر اول میں کی گئی تھی نجاست اور گندگی جو کچھ ہے وہ ان وسائل میں نہیں ہے بلکہ اس کافرانہ تہذیب میں ہے جو ان وسائل سے فروغ پا رہی ہے۔ ریڈیو بجائے خود ناپاک نہیں ہے۔ ناپاک وہ تہذیب ہے جو ریڈیو کے ڈائرکٹر کو داروغۂ ارباب نشاط یا ناشر کذب و افترا بناتی ہے۔ اور اس ناپاک تہذیب کو فروغ اسی لیے ہو رہا ہے کہ اس کو فروغ دینے کے لیے خدا کی پیدا کی ہوئی تمام ان طاقتوں سے کام لیا جا رہا ہے جو اس وقت تک انسان پر منکشف ہوئی ہیں۔ اب اگر ہم اُس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں جو الٰہی تہذیب کو فروغ دینے کے لیے ہم پر عائد ہوتا ہے تو ہمیں بھی انہی طاقتوں سے کام لینا چاہیے۔ یہ طاقتیں تو تلوار کی طرح ہیں کہ جو اس سے کام لے گا وہی کامیاب ہوگا خواہ وہ ناپاک مقصد کے لیے کام لے یا پاک مقصد کے لیے۔ پاک مقصد والا اگر اپنے مقصد کی پاکی ہی کو لیے بیٹھا رہے اور تلوار استعمال نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے اور اس قصور کی سزا اُسے بھگتنی پڑے گی، کیونکہ اس عالم اسباب

میں خدا کی جو سنت ہے اسے کسی کی خاطر نہیں بدلا جا سکتا۔

فرقہ بندی نہیں اس تصریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ "دار الاسلام" کی تحریک نہ تو ایک ارتجاعی (Reactionary) تحریک ہے، اور نہ اس قسم کی ارتقائی تحریک ہے جس کے پیش نظر صرف مادّی ارتقاء ہو۔ اس کے لیے گردکل کانگڑی، ستیہ گرہ آشرم، شانتی نکیتن اور دیال باغ میں کوئی نمونہ نہیں ہے۔ اس کے لیے اگر کوئی صحیح نمونہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف مدینۃ الرسول ہے۔

دار الاسلام کے دروازے تمام مسلمانوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں، خواہ وہ اسلام کے کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں[1]۔ ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ کون کس مذہب فقہی یا کس مذہب کلامی کا پیرو ہے۔ ہم اصل اسلام اور پوری امت مسلمہ کی خدمت کے لیے اٹھے ہیں، اس لیے ہر وہ شخص ہمارا رفیق بن سکتا ہے جس کے پیش نظر یہی مقصد ہو۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ آپ کھلے دل اور آزاد نظر سے اسلام کے مآخذ اصلیہ کا مطالعہ کیجیے۔ اس کے بعد فرق اسلامیہ میں سے جس فرقہ کے طریقہ کو آپ پسند کریں اسے اختیار کر سکتے ہیں، مگر اس حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھیے کہ تاویل سے جو مذہب پیدا ہوتا ہے وہ "دین" نہیں ہے بلکہ دین کے مذاہب میں سے ایک مذہب ہے، اور اس مذہب سے جو فرقہ وجود میں آتا ہے وہ "امت" نہیں ہے بلکہ امت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، لہذا آپ کے اندر اسلامی عصبیت کے سوا کوئی اور عصبیت نہ ہونی چاہیے۔ فقہ اور عقائد کے جزئیات میں اختلاف ہونا تو ایک امر فطری ہے، عقول و اذہان کا اختلاف جب تک باقی ہے اس کو بند نہیں کیا جا سکتا، اور شارع کا مقصد بھی اس کو بند کرنا نہیں ہے۔ البتہ جس چیز کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان اختلافات کی بنیاد پر دین اور امت کے ٹکڑے کر ڈالے جائیں اور ہر ٹکڑا اپنی علٰحدہ عصبیت قائم کر کے دوسرے ٹکڑے سے اس طرح جدا

[1] قادیانی حضرات ہمیں معاف فرمائیں، انھیں اسلامی فرقوں میں شمار کرنے سے ہم معذور ہیں۔ انہوں نے ہمارے اور اپنے درمیان جدید نبوت کی دیوار ایسی کھڑی کر دی ہے جس کی وجہ سے ہم اور وہ ایک امت کے دائرہ میں جمع نہیں ہو سکتے

ہو جائے کہ گویا اس کا دین الگ ہے اور اس کی امت الگ ہے۔ یہی مصداق ہے اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ کا، اور اسی سے یہ کہکر روکا گیا ہے کہ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَھُمُ الْبَیِّنَاتُ۔

فرقہ بندی کی اس بیماری سے بچنے کے لیے دار الاسلام کے قواعد میں یہ بات شامل کی گئی ہے کہ جو لوگ وہاں رہیں وہ اختلافی مسائل پر بحث وجدال ومناظرہ سے پرہیز کریں، اور سب بلا امتیاز مذہب ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھیں۔

مالی مسئلہ اس تمام داستان کو پڑھتے ہوئے بار بار یہ سوال ناظرین کے دل میں کھٹکا ہوگا کہ کام تو بہت اچھا ہے اور کرنے کا ہے، مگر روپے کا کیا انتظام ہوگا؟

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ دنیا نے جس چیز کو قاضی الحاجات سمجھ رکھا ہے، ہم اس کو قاضی الحاجات نہیں سمجھتے۔ اصل چیز روپیہ نہیں ہے بلکہ عزم وارادہ ہے۔ یہ کام جو ہم کرنا چاہتے ہیں اسے ہم نے پیشے کے طور پر اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ یہ ہمارا مقصد زندگی ہے، اور خدا کے بھروسہ پر ہم یہ ارادہ کر چکے ہیں کہ اپنی زندگی کے اس مقصد کو پورا کرکے چھوڑیں گے۔ ہمارے اس ارادہ میں جتنی زیادہ قوت ہوگی، خدا کی طرف سے اتنے ہی زیادہ اسباب ہماری مساعدت کے لیے جمع ہوتے چلے جائیں گے، البتہ خدا کی یہ سنت ہمیشہ رہی ہے اور اس میں کسی کے لیے استثنا نہیں ہے کہ وہ ارادوں کی طاقت کا امتحان ضرور لیا کرتا ہے، سو ہم تو یہ امتحان دینے کے لیے تیار رہیں، اور پہلے کہے دیتے ہیں کہ جو لوگ ہماری رفاقت کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس کے لیے تیار ہو کر آئیں۔ ہمارے پاس نہ تنخواہیں ہیں، نہ وظائف ہیں، نہ یہاں چندے کا کاروبار ہے اور نہ جلوسوں اور لغو دلچسپیوں کی بہار۔ جن لوگوں کو روزگار کی تلاش ہو یا جنہیں شہرت یا ناموری مطلوب ہو انکے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ اپنی زندگی کا وہی مقصد رکھتے ہوں جو ہماری زندگی کا ہے، اور وہی

امتحان دینے کے لیے تیار رہوں جس کے لیے ہم تیار ہوئے ہیں، تو ان کے لیے دار الاسلام میں جگہ موجود ہے۔ جس حد تک وہ اپنی روزی کا انتظام کر سکتے ہوں وہ خود کریں، اور جس حد تک ہم ان کی مدد کر سکیں گے اس میں دریغ نہ کریں گے۔ یہ تو مشترک مقصد کے لیے ایک مشترک جہاد ہے، اس میں خدمت کے معاوضہ کا کوئی سوال ہی نہیں، یہاں نہ کوئی معاوضہ دینے والا ہے نہ لینے والا۔ البتہ خدمت میں باہمی امداد و معاونت بلحاظ استطاعت سب پر لازم ہے۔

یہ ابتدا ہی سے ارادہ کر لیا گیا ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا جائے گا۔ اب تک جو کچھ کام ہوا ہے، دار الاسلام کے رفقاء نے اپنی ذات سے کیا ہے اور آئندہ جو کچھ بھی کریں گے اپنی ذات سے کریں گے۔ اگر کوئی شخص خود اپنے فرض کو محسوس کرے، اور اس کام میں روپیہ صرف کرنے کو خود اپنی غرض سمجھے جس طرح ہم سمجھتے ہیں تو وہ لائے، ہم اس سے بخوشی لیں گے۔ لیکن اگر کوئی اسے اپنی غرض نہیں بلکہ ہماری غرض سمجھتا ہے تو ہم غرضمند نہیں ہیں، ہم اس کے پاس مانگنے کے لیے کبھی نہ جائیں گے۔

آئندہ سے ترجمان القرآن میں وقتاً فوقتاً دار الاسلام کی اطلاعات شائع ہوتی رہیں گی تاکہ ناظرین اس کام کی رفتار سے واقف ہوتے رہیں۔